

سعدیہ ممتاز

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اُردو سیرت نگاری کے اُسلوب پر نوآبادیاتی اثرات: منتخب کتب کا تجزیاتی مطالعہ

Sadia Mumtaz

Ph.D. Urdu Scholar, International Islamic University, Islamabad.

Email: aalikhan765@gmail.com

ORCID: <https://orcid.org/0009-0000-2632-7253>

Colonial Influences on the Style of Urdu Sirah Writing: An Analytical Study of Selected Books

ABSTRACT

This study presents an analytical exploration of the stylistic features of Urdu Sirah writing during the colonial period in the Indian subcontinent. The colonial era brought significant intellectual, cultural, and political transformations that deeply influenced Islamic scholarship and literary expression. In response to western criticism, orientalist discourse, and missionary challenges, Urdu Sirah writers adopted distinctive stylistic strategies to defend and reinterpret the life of the Prophet Muhammad (PBUH). This study examines how these writers employed a blend of traditional narrative techniques and modern argumentative methods, incorporating rationalism, historical analysis, and reformist perspectives into their works. It highlights the shift from purely devotional and descriptive styles to more critical and scholarly approaches. Special attention is given to language, rhetoric, structure, and the influence of contemporary socio-political conditions on stylistic choices.

Keywords: *Sirah Books, Writing Styles, Colonialism, Sir Syed, Qazi Suleman, Shibli Naumani, Suleman Nadvi, Nawab Ali, Abdul Rauf Dana Purri, Kfutbaat E Ahmadiya, Seerat Un Nabi, Kfutbaat e Madras, Ashah Us Saiyyar*

سیرت نگاری ایسی صنفِ نثر ہے جس میں حضرت محمدؐ کی حیاتِ مبارکہ کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ سیرت نگاری کے لیے کوئی خاص اُسلوب متعین نہیں ہے۔ ہر لکھنے والے نے اپنے مزاج اور ادبی ذوق کے مطابق سیرت لکھی۔ سیرت کے اسالیب کے متعلق ڈاکٹر محمود احمد غازی کی رائے ہے:



HEC Recognized Y-Category Journal Tashkeel-Article (4-1-4) Pages (35-67)

Email: tashkeel@uoj.edu.pk, Website (OJS): tashkeel.uoj.edu.pk

Department of Urdu, University of Jhang, Chiniot Road, Jhang, Punjab, Pakistan.

"سیرت نگاری کے اسالیب متعین اور بہت واضح نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ سیرت نگار نے پہلے اپنے ذہن میں کوئی اُسلوب متعین کیا ہو اور اس اُسلوب کی حد بندی کے اندر رہتے ہوئے انہوں نے سیرت مرتب کی ہو۔ اس کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ جس شخصیت نے سیرت نگاری کے لیے قلم اٹھایا، ان کا اپنا پس منظر تھا۔ اگر وہ محدث تھے تو علم حدیث کے اسالیب اور مناجح اصول اور قواعد خود بخود ان کے سامنے رہے۔ اگر وہ مورخ تھے تو مورخین کے اصول ان کے سامنے ہوں گے۔ اگر وہ متکلم تھے تو علم کلام کے مسائل ان کے سامنے ہوں گے۔ اگر وہ کسی اصلاحی اور تجدیدی تحریک کے قائد تھے تو ان کی سیرت نگاری میں اصلاح اور تجدید کے پہلو نمایاں ہوں گے۔ یہ صرف نمایاں ہونے کی حد تک ہے۔ اس کو بہت لگے بندھے معیار پر نہیں دیکھنا چاہیے۔" (1)

ڈاکٹر محمود کے نقل کردہ اس اقتباس میں دو نکات سیرت نگاری کے اُسلوب کی وضاحت کرتے ہیں۔ اول: اس کے لیے کوئی خاص اُسلوب اور سانچہ مقرر نہیں ہے جس کے مطابق سیرت لکھی جانی چاہیے۔ دوم: جس مصنف کا جو علمی پس منظر ہے، اسی کے تحت اس نے سیرت لکھی۔ اسی وجہ سے اُردو سیرت نگاری کے مناجح و اسالیب میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اس میں محدثانہ، مورخانہ، مولفانہ، فقیہانہ، متکلمانہ، ادیبانہ، متصوفانہ اور مناظرانہ اُسلوب کے کئی عمدہ نمونے دستیاب ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اُردو سیرت نگاری کے اسالیب میں ایک خاص قسم کی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس سے قبل جو سیرت کی کتب لکھی گئیں ان کے اسالیب بالکل روایتی نوعیت کے رہے، مجموعی طور پر عقیدت و محبت کے جذبات غالب رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کتب کے مخاطب صرف مسلمان تھے۔ دوسرے الفاظ میں عقل و منطق کے بجائے عشق و عقیدت کا جذبہ نمایاں رہا۔ اگر ان میں سے کسی کتاب میں حضرت محمد ﷺ کی شخصیت پر ہونے والے کسی بھی اعتراض کا جواب دیا گیا تو وہاں مصنف کا اُسلوب بیان مناظراتی رنگ اختیار کرتا رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اُردو سیرت نگاری کے بدلتے ہوئے اُسلوب کے متعلق ڈاکٹر محمود غازی نے لکھا ہے:

"ایک جدید اُسلوب پچھلے سو ڈیڑھ سو سالوں سے مسلمانوں میں رائج ہوا ہے جو مغربی مورخین کے اُسلوب سے متاثر ہے۔ آج کل اس اُسلوب کے مطابق بھی کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اس اُسلوب میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ جو شواہد اور دلائل مغربی معیارات کے مطابق قابل قبول ہوں ان سے کام لیا جائے اور سیرت کے وہ پہلو سامنے لائے جائیں جن کو مغربی دانشور یا مغربی قاری ناقابل قبول قرار نہ دیں۔ وہ پہلو جن کا تعلق خالصتاً مسلمانوں

کے ایمان اور عقیدہ سے ہے ان کو زیادہ نمایاں نہ کیا جائے۔ یہ اُسلوب مستشرقین کے اثر سے آیا ہے۔⁽²⁾

ڈاکٹر محمود نے جس اُسلوب سیرت کی جانب اشارہ کیا ہے اس کا تعلق خالصتاً مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دینے سے ہے۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے اور انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد جب مسلم طبقہ مکمل روبہ زوال تھا، تب انگریز حکمرانوں نے ان کی جداگانہ مذہبی شناخت کو مٹانے کے لیے حضرت محمدؐ کی ذات کو ہدف تنقید بنایا اور عیسائی مشنریوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر قائل کر سکیں۔ اُن کے اٹھائے ہوئے اعتراضات نے نوجوان نسل کے اذہان میں شکوک و شبہات کا بیج بویا۔ ایسے میں اُردو سیرت نگاری میں سرسید احمد خان نے نئے اُسلوب کو متعارف کروایا جس کا بنیادی وصف منطقی و سائنسی استدلال تھا۔ انھوں نے سیرت النبیؐ پر مستشرقین کے اعتراضات کے پس منظر میں مغربی طرز استدلال اور اُسلوب تحقیق سے کام لے کر اسلام کے موقف کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ سرسید کے اس اُسلوب کو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں سیرت لکھنے والوں نے اپنایا جن کا بنیادی مقصد حیاتِ محمد کی اصل تصویر نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے سامنے لانا تھی۔ اس مقالے میں خطباتِ احمدیہ، رحمتہ للعالمین، سیرۃ النبیؐ کی اولین دو جلدوں، خطباتِ مدراس، سیرت رسول اللہؐ اور اصح السیر کے اُسلوب کا مطالعہ کیا گیا ہے تاکہ نوآبادیاتی عہد میں اُردو سیرت نگاری کے اُسلوب میں ہونے والی تبدیلیوں کا منتخب کتب سیرت کے تناظر میں جائزہ لیا جاسکے۔

۱۔ خطباتِ احمدیہ

سرسید احمد خان نے اُردو سیرت نگاری میں سب سے پہلے منطقی و سائنسی استدلال فکر اور اُسلوب کو متعارف کروایا۔ آپ سے پہلے جو کتب سیرت لکھی جاتی رہیں، ان میں عقیدت و محبت کے جذبات نمایاں دکھائی دیتے تھے اور منطقی انداز کے بجائے مناظراتی انداز میں مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دیے جاتے تھے۔ جن سے مستشرقین کو مزید سوالات اٹھانے کے مواقع میسر آجاتے تھے۔ ایسا اس وجہ سے تھا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حکومت نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ ہر ممکن وسیلے سے مسلم طبقے کی شناخت کو مٹادیں گے۔ چونکہ مسلمانوں میں مذہبی جذبات شدت سے پائے جاتے ہیں اسی وجہ سے انھوں نے اسلام اور خصوصاً پیغمبر اسلام کی ذات کو ہدف تنقید بنایا جس کا جواب اکثر سیرت نگاروں نے جذباتی اندازِ تحریر میں دیا جب کہ سرسید نے اس اُسلوب بیان کو مکمل طور پر بدل دیا اور منطقی استدلال کو سیرت کے اُسلوب کا حصہ بنایا۔ سرسید کے طرزِ تحریر کے متعلق ڈاکٹر محمود احمد غازی کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"سرسید نے قدیم کتابوں کا خاص طور پر تورات اور زبور کا براہ راست مطالعہ کیا اور ان کتابوں میں رسول اللہؐ کے بارے میں جو بشارات تھیں ان کو جمع کیا اور اس مواد کو ایک

مرتب انداز میں پیش کیا۔ اس کتاب کے بڑے اثرات ہوئے۔ لوگوں نے اس اُسلوب کو اپنایا۔ سیرت کے ماخذ کی تقلید ہر سیرت نگار نے کی۔ مغربی اہل علم کے حوالے اب ہر سیرت نگار دیتا ہے۔ مشرقی علوم کا مغربی اُسلوب سے مطالعہ اب ایک عام رواج ہو گیا ہے۔ سرسید سے پہلے یہ انداز کسی نے نہیں اپنایا۔۔۔ یہ وہ کام ہے جو سرسید احمد خان نے کیا اور اس کے گہرے اثرات ہوئے۔" (3)

سرسید احمد خان ادب برائے مقصد کے علم بردار تھے۔ انھوں نے ادب کو سماجی مقاصد کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ قرار دیا۔ سرسید اس امر سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ ادب میں زبان مصنف کے منشا و مدعا کے اظہار کا وسیلہ ہوتی ہے؛ اسی لیے ان کی تحریروں میں مقصدیت نمایاں ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سرسید احمد کی فکر میں واضح تبدیلی ہوئی، جس کا اثر ان کے موضوعات کے انتخاب اور طرز نگارش میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ انھوں نے سرولیم میور کی کتاب کے جواب میں خطبات احمدیہ لکھی لیکن یہ کتاب محض ایک جواب نہیں تھی بلکہ اس نے اردو سیرت نگاری کے اسالیب و مناہج میں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ اس تغیر و تبدل کی جانب اوپر دیے گئے اقتباس میں ڈاکٹر محمود غازی نے اشارہ کیا ہے۔ سرسید نے جذبات و عقیدت کی رو میں بہہ کر اعتراضات کے جواب نہیں لکھے بلکہ منطقی و استدلالی انداز اپنا کر اپنا موقف پیش کیا ہے۔

خطبات احمدیہ میں سرسید کے اُسلوب کی نمایاں خوبی اس کا منطقی و استدلالی انداز ہے جس میں انھوں نے تاریخی حقائق کو بیان کیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ سرسید کا اُسلوب مناظرانہ نہیں ہے بلکہ وہ مصالحانہ انداز اختیار کر کے اپنے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے مخاطب بات کی گہرائی کو سمجھ سکیں اور ان پر سرسید کے خیالات واضح ہو سکیں۔ ذیل میں یہ مثال و لیم میور کے اس نکتے کہ محمدؐ کی زبان فصیح و بلیغ تھی، اس لیے قرآن مجید ان کی گفتگو سے مرتب کر رہا ہے کے حوالے سے دی گئی ہے۔ سرسید نے اس جانب اشارہ کر کے نہایت عمدگی سے اپنا موقف بیان کیا ہے۔ ان کا اُسلوب کہیں بھی مناظراتی رنگ اختیار نہیں کرتا بلکہ انھوں نے مصالحانہ انداز اپنا کر سرولیم میور کے اٹھائے ہوئے نکتے کو رد کیا ہے:

"سرولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرتؐ کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوش نما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بن گئی تھی۔۔۔ جب کہ ان کی فصاحت و بلاغت ان کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دل فریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا۔ مگر ایک بات سرولیم میور صاحب کی نگاہ سے رہ گئی کہ جب ہم آنحضرتؐ کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں۔ جس میں یقین کیا جاتا ہے

کہ یہ خاص لفظ آنحضرتؐ کے محفوظ ہیں جیسے دعائیں وغیرہ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طرزِ کلام اور فصحاءِ عرب کے طرزِ کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحات کو پڑھتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی۔" (4)

اس اقتباس سے سرسید کے اُسلوب کو بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ولیم میور کا ذکر تعظیمی الفاظ سے کیا ہے اور اس کے طرزِ مخاطب سے ولیم میور کی ان کی نگاہوں میں عزت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ سرسید نے خطباتِ احمدیہ میں سر ولیم میور اور دوسرے مستشرقین کا ذکر نہایت احترام سے کیا ہے۔ وہ ان کے اعتراض کے جواب بھی ایسے انداز میں لکھتے ہیں، جن سے ان کا صلح جو رویہ جھلکتا ہے۔ زیر بحث اقتباس میں انھوں نے "سر ولیم میور صاحب" کہہ کر ایک ایسے مستشرق کو مخاطب کیا ہے، جس نے آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارکہ پر اعتراضات اپنی چار جلدوں پر محیط کتاب دی لائف آف محمد (The Life Of Muhammad) میں کیے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد سرسید کا بنیادی مقصد مسلم طبقے اور حکمرانوں (عیسائیوں) کے درمیان تفاوت اور غلط فہمیوں کو کم کرنا تھا؛ اسی لیے خطباتِ احمدیہ میں انھوں نے ایسا اُسلوب اپنایا ہے جس میں مناظراتی انداز کے بجائے مصلحانہ اُسلوب میں اپنا مؤقف پیش کیا گیا ہے۔ خطباتِ احمدیہ کے اُسلوب میں جہاں یہ پہلو دکھائی دیتا ہے کہ سرسید احمد خان نے ولیم میور اور دیگر مستشرقین کا ذکر نہایت احترام سے کیا ہے اور ان کے لیے معاندانہ یا طنز آمیز طرزِ مخاطب اور لب و لہجہ اختیار نہیں کیا، وہیں انھوں نے اپنے اسلاف پر شدید تنقید کی ہے اور ان کے اُسلوب میں احترام و شائستگی کا فقدان نظر آتا ہے مثلاً وہ امام محمد بن اسماعیل بخاری کے متعلق لکھتے ہیں:

"محمد اسماعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اس کی صحیح بخاری ہے، جو بلحاظ اس حیثیت کے جس حیثیت سے وہ تصنیف ہوئی ہے، نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ایسی نہ ہو۔ دوسری کتاب اس کی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہے۔" (5)

اس مثال سے سرسید کے اپنے اسلاف اور مستشرقین کے حوالے سے طرزِ مخاطب میں نوآبادیاتی اثرات کو بہ خوبی محسوس کیا جاسکتا ہے؛ جہاں ولیم میور، اسپرنگر اور دیگر کا نقطہ نظر درج کرتے ہوئے سرسید نے ان کے ناموں کے ساتھ "صاحب" کا سابقہ لگایا ہے جب کہ مسلمانوں کی بڑی مذہبی شخصیات کے لیے وہ "جمع کا صیغہ" لگانے کی زحمت تک

گو اور انہیں کرتے۔ سرسید کے اُسلوب میں یہ تضاد جاہ جاد کھائی دیتا ہے۔ اس کی طرف ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے اپنے مضمون "اُردو زبان میں چند کتب سیرت" میں اشارہ کیا ہے۔⁽⁶⁾ وہ سیرت کی معروف کتاب مواہب لدنیہ کے مصنف علامہ قسطلانی کے متعلق سرسید کی رائے کو درج کرتے ہیں۔ "مصنف مواہب لدنیہ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھ کر بعوض اس کے کہ ان کو نامعتبر ٹھہراتا، یہ تسلیم کیا ہے کہ شق صدر کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا۔"⁽⁷⁾ سرسید احمد خان اپنے اسلاف کے لیے "نادانی" کا لفظ استعمال کر کے اپنی ناراضی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن مستشرقین کے اٹھائے اعتراضات کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ان کا جواب منطقییت سے درج کرتے ہیں۔ سرسید کے اس انداز کو سمجھنے کے لیے ان کی سوچ کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ عیسائیوں سے مسلم طبقے کی قربت کے خواہاں تھے اور حکومت وقت کو مزید بدگمان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مستشرقین کا ذکر کو احترام سے کیا مگر اپنے اسلاف اور ہم عصر علما کی عزت کا لحاظ نہ رکھا۔

خطباتِ احمدیہ میں سرسید احمد خان نے تحقیقی انداز میں حقائق سیرت کو سامنے لایا ہے۔ انھوں نے اپنا موقف پیش کرنے کے لیے مذہبی صحائف سے حوالے دیے ہیں اور دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کو واضح کیا ہے جو ان کے اُسلوب میں تحقیقی پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ سرسید نے اپنی کتاب میں عبرانی زبان کے الفاظ بھی درج کیے ہیں۔ وہ فارسی زبان میں ترجمہ شدہ تورات سے حوالے دیتے ہیں۔ بعض مقامات میں انھوں نے اُردو میں فارسی متن کا ترجمہ کیا ہے اور کچھ جگہوں پر وہ فارسی میں ہی توریت کی ترجمہ شدہ عبارات درج کر دیتے ہیں۔ جو فارسی سے نابلد قاری کے لیے دقت کا سبب ہے۔ یہ ان کے اُسلوب کی ایک ایسی خامی ہے جو معنی کی ترسیل میں رکاوٹ بنتی ہے۔

خطباتِ احمدیہ کا اُسلوب منطقی و تحقیقی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرسید کا اُسلوب ادبیانہ شان سے عاری ہے، ادبیت ان خطبات میں جھلکتی ہے۔ خطبات کا طرز تحریر مخاطبین کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں سرسید نے مختلف مذاہب میں خدا کے تصور کو بیان کیا ہے۔ الہامی مذاہب میں وہ ایک خدا کے اعتقاد اور دیگر مذاہب میں دیوی دیوتاؤں کی مذکورہ تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہمیں دکھائی دیتی ہیں، ایک ہیں، کیا نور و ظلمات اور کالا و سفید یکساں ہیں۔"⁽⁸⁾ سرسید نے یہاں امیر خسرو کا فارسی شعر درج کیا ہے۔

من تو شدم، تو من شدمی، من تن شدم، تو جاں شدمی

تاکس گوید بعد از این، من دیگرم، تو دیگرمی⁽⁹⁾

سرسید کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے دقیق سے دقیق موضوع کو بھی سہل انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ سوالیہ انداز بھی اختیار کرتے ہیں اور ان کے جواب تلاش کرتے ہوئے قاری کے ذہن کو بھی تحریک دیتے ہیں

کہ وہ اپنے علم و تجربہ کی بنیاد پر رائے قائم کرے۔ سرسید نے خطباتِ احمدیہ کے دیباچے میں مذہب اور اصولِ مذہب کی بحث لکھتے ہوئے ادیبانہ انداز اپنایا ہے۔ وہ مختلف مذاہب میں تصورِ خدا کے متعلق لکھتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ ایک اقتباس پیش ہے:

"یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اسی سے ظہور ہے وہی ظلمت کا باعث اور وہی نور کے ظہور کا سبب ہے۔ وہی آسمانوں پر کڑکا تا ہے اور وہی زمینوں پر برساتا ہے۔ وہی ستاروں کو چمکاتا ہے اور وہی پھولوں کی کلیوں کو کھلاتا ہے۔ اسی کا جلوہ بہشتوں کی کہات اور اسی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے۔ غمگین دل کا غم، شادان دل کی شادی اسی سے ہے وہ کسی جگہ نہیں اور سب جگہ ہے وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے۔ عابد کے نورانی سینے اور فاسق کے بریاں دل اور معشوق کے عاشق کُش ابرو اور عاشق کی گریاں چٹم۔ سب میں اس کی یکساں جگہ ہے۔ جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اسی طرح سے وہ باریک سے بال میں بھی ہے وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے مگر اس کا جاننا یا علم ہم سے دو درجہ کم ہے۔ کیوں کہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے بہر حال ان بن دیکھی جناب اور ان سبھی ذات کو جو کہو سو کہو۔" (10)

سرسید کا یہ اقتباس ان کے اُسلوب میں ادبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے ادبی انداز میں فلسفہ وحدت الوجود جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، کو سہل انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ ان کے اُسلوب کی نمایاں خوبی ہے کہ انھوں نے خطباتِ احمدیہ میں مذہبی مباحث اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب لکھتے ہوئے کہیں بھی اپنے اُسلوب کو خشک نہیں ہونے دیا بلکہ اس میں ادبیت کی شان قائم رکھنے کی سعی کی ہے۔ سرسید احمد خان نے خطباتِ احمدیہ میں عربی اشعار کو بھی شامل کیا ہے۔ دوسرے خطبے میں عربوں کی طرز معاشرت کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے مشہور عرب شاعروں کے کلام کے نمونے درج کیے ہیں اور ان کے ذریعے عربوں کی ثقافت کی وضاحت کی ہے۔ یہ سرسید کے اُسلوب کی انفرادیت ہے، ان کے پیش روؤں نے بھی عرب تہذیب و ثقافت کو اپنی کتب سیرت میں موضوع بنایا ہے مگر وہ عربی شاعری کے ذریعے عرب تہذیب کو بیان نہیں کرتے۔ یہ سرسید کے اُسلوب کا اختصاص ہے البتہ یہاں یہ کمی ضرور ہے کہ اُردو زبان کا قاری عربی شعر کے مفہوم اور اس میں موجود فصاحت و بلاغت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور سبب یہ ہے کہ جب سرسید نے انیسویں صدی کے اواخر میں یہ کتاب لکھی، تب یہ انداز قارئین کے لیے مشکل پیدا کرنے کا سبب نہیں تھا کیوں کہ اہل ہندوستان فارسی و عربی سے اچھی طرح واقف تھے اور انگریزی زبان سے نابلد تھے۔ البتہ اکیسویں صدی میں رجحان بدل چکا ہے۔ اُردو قارئین انگریزی زبان کو عربی و فارسی کے

مقابلے میں زیادہ جانتے ہیں۔ اس لیے آج کے دور میں سرسید کے اُسلوبِ بیان کا یہ انداز کچھ مفہیم کی ترسیل میں اڑے ضرور آتا ہے لیکن سرسید نے شعر درج کرنے سے پہلے یہ ضرور واضح کیا ہے کہ اس شعر میں کیا خیال پیش کیا جا رہا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ "فصاحت و بلاغت لطافت و ظرافت بھی فضیلت کے دائرہ تکمیل کے لیے ضروری تھیں۔ عمرو شاعر اپنے بیٹے غرار کی تعریف میں کہتا ہے:"

وان غرار ان یکن غیر واضح فانی احب الجون ذالمنطق الدم (11)

سید عزیز الرحمن نے "اُردو میں سیرت نگاری کا محاضراتی ادب" میں سید سلیمان ندوی کے خطبات کو محاضراتی ادب کا پہلا اور نمایاں کام قرار دیا ہے (12) جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں محاضراتی سیرت نگاری کی پہلی تحریری شکل سر سید احمد خان کی خطباتِ احمدیہ کی صورت میں منظر عام پر آئی۔ سرسید نے یہ خطبات گو تقریری صورت میں کہیں پیش نہیں کیے مگر تحریری طور پر سب سے پہلے یہ ۱۸۷۲ء میں اُردو زبان میں شائع ہوئے۔ ان کا اُسلوب بیان اور عنوانات خطابتی انداز کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے خود کتاب کا نام بھی خطباتِ احمدیہ رکھا اور لفظ باب لکھنے کے بجائے خطبہ لکھنے کو ترجیح دی۔ اس کتاب کے ہر خطبہ میں سرسید نے ایک موضوع کو زیر بحث لا کر اس پر اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ ہر خطبہ اپنے دائرہ کار میں مکمل ہے اور مصنف نے مذہبی و تاریخی حوالوں سے درست حقائق کو سامنے لانے کی مکمل سعی کی ہے۔ یہ ان کے اُسلوبِ بیان کی بھی نمایاں خوبی ہے کہ انھوں نے منطق و استدلال کا دامن کسی خطبے میں ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اپنے موقف کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کر کے اُردو سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ یہ سرسید کا اختصاص ہے، جس نے اُردو سیرت نگاری کے رجحانات کو بدلنے اور منطقی انداز بیان کو رواج دینے میں مدد دی۔

۲۔ رحمتہ للعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری

رحمتہ للعالمین میں قاضی سلیمان منصور پوری کا اُسلوب کئی خوبیوں کا حامل نظر آتا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے عشق رسولؐ میں ڈوب کر لکھی، اس لیے اس کے انداز بیان میں محبت و عقیدت واضح دکھائی دیتی ہے مگر اس میں جذباتیت کا عنصر ناپید ہے۔ انھوں نے جذبات پر حقائق کو فوقیت دی ہے۔ قاضی سلیمان کا اُسلوب سلیس اور زبان سادہ و واضح ہے۔ انھوں نے اپنے مدعا و منشا کو اشاروں و کنایوں کے بجائے وضاحتاً بیان کیا ہے۔ انھوں نے شگفتہ بیانی اور دلکش اُسلوب نگارش سے کام لیتے ہوئے سیرت میں عمدہ نکات کو بھی پیش کیا ہے۔ نو آبادیاتی عہد میں مغربی طرز کو اپنا کر جو کتب لکھی گئی، ان میں حضورؐ سے براہِ راست مصنفین نے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا لیکن رحمتہ للعالمین میں قاضی سلیمان کا اُسلوب ان کے عشقِ مصطفیٰ کا مظہر ہے۔ انھوں نے حضرت محمدؐ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہمارے نبیؐ موسم بہار میں دو شنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سن ایک عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ، ۶۲۸ بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ حضورؐ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔" (13)

محمد اسحاق بھٹی نے قاضی سلیمان کے اس طرز اسلوب کے متعلق لکھا ہے کہ آپ پہلے سیرت نگار ہیں، جنھوں نے یہ تحریر کیا ہے کہ ہمارے نبیؐ موسم بہار میں پیدا ہوئے۔ ان کے نزدیک یہ لفظ بے حد اہمیت کا حامل ہے اور اس کے اندر ایک خاص شان اور مفہوم پوشیدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبیؐ کی پیدائش بہار کے موسم میں ہوئی جو زندگی اور تازگی کی علامت ہے، اسی طرح آپؐ کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار اور تعلیمات میں بھی موسم بہار کی سی خوش گواری کیفیت موجود ہے، جو انسانیت کو روحانی و قلبی مسرت و انبساط دینے پر قادر ہے۔ (14)

رحمتہ للعالمین کا اسلوب ادبی ہے، بیان میں اختصار و جامعیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ کتاب کے جن صفحات میں نبی اکرمؐ کے اخلاق و اوصاف کو بیان کرتے ہیں، وہاں ان کا اندازِ تحریر خالصتاً ادبی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور وہ کم الفاظ کے استعمال سے وسیع مفہوم پیش کرتے ہیں۔ اگر ان کے لکھے گئے ایک اقتباس کی تشریح کی جائے تو اس کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے۔ مثلاً حضورؐ کی زندگی ہر طبقہ کے لیے نمونہ ہے اور ان کی مثال کو سامنے رکھ کر انسان اپنے لیے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، اس نکتے کو انھوں نے ایک جگہ یوں تحریر کیا ہے۔

"نبیؐ کے اخلاق و محاسن، صفات و محامد کی چمک ایسی نمایاں ہے جیسی ریت میں کندن۔۔۔ اور ان واقعات ہی سے پتہ لگتا ہے کہ مظلومی و بیچارگی اور قوت و سطوت کی متضاد حالتوں میں یکساں سادگی و غربت کے ساتھ زندگی پوری کرنے والا، صرف وہی ہو سکتا ہے جس کے دل ہر ناموس الہی نے قبضہ کر لیا ہو اور اسے علائقِ دنیوی سے پاک کر دیا ہو۔ نبیؐ کی زندگی کے مبارک واقعات ہر ملک اور ہر طبقہ کے فرد اور جماعتوں کے لیے بہترین نمونہ اور مثال ہیں۔" (15)

رحمتہ للعالمین کا اسلوب قاضی سلیمان کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے رحمتہ للعالمین میں بعض موقعوں پر تشبیہات کا سہارا لیا ہے۔ تشبیہ کے ذریعے مصنف قاری کو کم الفاظ سے بڑی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس سے تحریر میں ادبی شان بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً عرب میں موجود رسمِ تنبیت کی خرابیوں کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تنبیت کا مصنوعی اثر ہر جگہ کڑوا پھل ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہاں اس بناوٹی حالت کو خضاب سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جس کی بابت کوئی شاعر کہ گیا ہے۔

آخر تو کھل ہی جاتی ہے، رنگت خضاب کی۔" (16)

قاضی منصور پوری کے اُسلوب کی ایک اور خوبی موقع و محل کے مطابق اشعار کا درج کرنا بھی ہے۔ انھوں نے رحمتہ للعالمین میں کہیں بھی اپنے اُسلوب کو ادبی حدود سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ وہ کہیں تشبیہاتی واستعاراتی انداز اختیار کرتے ہیں اور کہیں واقعات کا بیان کرتے ہوئے، اس کی مناسبت سے وہاں کوئی شعر لکھ دیتے ہیں تاکہ قاری کی دل چسپی لمحہ بھر کو بھی زائل نہ ہو۔ غزوہ احد مسلمانوں کے لیے شدید جان لیوا ثابت ہوا، جب ان کے بہتر مسلمان شہید ہوئے۔ اس غزوہ کے بیان میں عمارؓ کی شہادت کا احوال لکھتے ہوئے، قاضی سلیمان نے اس تاریخی واقعہ اور عمارؓ کی حضورؐ سے محبت کو اس شعر کے ذریعے پیش کیا ہے:

سر بوقتِ ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے (17)

رحمتہ للعالمین کے ادبی اُسلوب سے مراد یہ نہیں ہے کہ نثر مقفیٰ و مستعج اور ایسے دقیق اشعار سے پُر ہے کہ عام ذہنی سطح کا قاری اس کو سمجھنے سے محروم ہے۔ ادبی انداز ہونے کے باوجود قاضی منصور پوری نے سیدھی اور واضح زبان استعمال کی ہے جس کو ہر علمی و ذہنی سطح کا قاری بہ خوبی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمتہ للعالمین کے پڑھنے والوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کو عالم بھی زیرِ مطالعہ رکھتے ہیں اور عام فرد بھی۔ حضورؐ کی ہجرت کے واقعے سے ان کے اُسلوب کی اس خوبی کو سمجھا جاسکتا ہے:

"انسانی تدبیر کے مقابلے میں اب الہی طاقت اور ربانی حمایت کو دیکھیے کہ جب رات کو ان لوگوں نے نبیؐ کا گھر آگھیرا۔ اس وقت خدا کے نبیؐ نے پیارے بھائی علیؑ سے فرمایا۔ تم میرے بستر پر میری چادر لے کر سو ہو۔ ذرا فکر نہ کرنا۔ کوئی شخص تمہارا بال بیکانہ کر سکے گا۔ حضرت علیؑ تو ان تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے اور خدا کا رسولؐ خدا کی حفاظت میں باہر نکلا اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا اور سورہ لیس پڑھتا ہوا صاف نکل گیا۔ کسی نے نبیؐ کو جاتے نہ دیکھا۔" (18)

قاضی سلیمان نے رحمتہ للعالمین میں مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دیے ہیں مگر وہ مخصوص کسی ایک مستشرق کا نام نہیں لکھتے۔ ان کے اُسلوب میں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ "عیسائیوں"، "یورپی مصنفین" اور "عیسائی مصنف" کے الفاظ لکھ کر مستشرقین اور پادریوں کے اعتراض کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں توریت و انجیل سے حوالے دیتے ہوئے اپنے موقف کو دو ٹوک الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں۔ قاضی سلیمان کے اُسلوب میں استنبہامی انداز بھی

نمایاں ہے۔ وہ عیسائیوں کے سوال کا جواب تحریر کرنے سے قبل ان سے سوال کرتے ہیں اور پھر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل اقتباس پیش ہے:

"ہمارے لیے قابل غور یہ امر ہے کہ عیسائیوں کو اس واقعہ سے رنجیدہ و ملول ہونے کی خاص وجہ کیا ہے؟ کیا تورات نے تہنیت کو حق ٹھہرایا ہے؟ کیا مسیح نے تہنیت کو جائز تسلیم کیا ہے؟ اور ایک حرف بھی اس کے جواز میں کہا ہے؟ اگر نہیں تو عیسائیوں کو کیوں رنج ہے؟" (19)

قاضی سلیمان نے رحمتہ للعالمین میں تقابلی انداز کو روار کھا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ حضورؐ کی دوسرے انبیاء کے ساتھ نسبت کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور اسی کے ساتھ محمد رسول اللہؐ کو پیش آنے والے واقعات اور اس میں آپ کے رد عمل کو باقی پیغمبروں سے تقابل کر کے آپ کو انھی کے قبیل سے منسوب کرنا چاہتے تھے۔ سیرت میں تقابلی اسلوب بیسویں صدی میں نمایاں ہوا۔ جس سے مصنفین کا اصل مقصود مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دینا تھا۔ حضورؐ کی ہجرت کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے قاضی سلیمان نے ان کی حضرت داؤد سے مشابہت کو ظاہر کیا ہے:

"اللہ کے برگزیدہ نبی داؤد سے آنحضرتؐ کی مشابہت، داؤد کھڑکی سے بھاگ کر بچ رہا۔ ہیکل نے ایک پتلا پلنگ پر لٹا رکھا اور بکریوں کی کھال تکیہ کی جگہ اوپر سے چادر اوڑھادی اور جب ساؤل نے ہر کارے داؤد کے پکڑنے کو بھیجے، تو یہ بولی کہ وہ بہار ہے۔" (20)

رحمتہ للعالمین کے اسلوب میں دلائل کی قوت اور تحقیقی و تنقیدی انداز واضح ہے۔ انھوں نے واقعات سیرت کے بیان میں تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب میں استعمال ہونے والے تحقیقی مواد نے اسے اہم علمی دستاویز کا درجہ دلایا ہے۔ قاضی سلیمان کا دوسری الہامی کتب کا بھی وسیع علم تھا جس کی وجہ سے انھوں نے حضورؐ کی شخصیت اور ان کی نبوت کو انجیل سے ثابت کیا۔ ان کے اس اندازِ تحریر کو ذیل میں درج اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے:

"اولادِ اسمعیل میں نبوت ہونے کی بابت بائبل کی کتابوں میں بہت سے حوالے ملتے ہیں۔ اول: یہ کہ اسحاق اور اسمعیل سے خدا نے برابر وعدے کیے تھے۔ دوم: یہ کہ عرب میں پیدا ہونے والے نبی کے نشانات اور علامات کی پیش گوئیاں بہت سے انبیاء نے کی ہیں اور چوں کہ عرب میں صرف اسمعیل کی اولاد ہی آباد ہوئی تھی۔ اس لیے ان پیش گوئیوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی موعود اسمعیلی ہو گا۔ سوم: موسیٰ کی بیان کردہ پیش گوئی اس بارے میں بہت واضح ہے درس ۸۱ میں۔۔۔" ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔" (21)

رحمتہ للعالمین کے منہج و اُسلوب کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ قاضی سلیمان نے جدول بنا کر مجاہدین اسلام کی تعداد، دشمن کے لشکر کی تعداد، غزوہ یا سریا میں مسلمانوں کے سردار کون تھے؟ دشمن کا سردار کون تھا؟ مسلمانوں کا نقصان، دشمن کا نقصان، زخمی، اسیر، شہید اور مقتولین کی تعداد محققانہ انداز میں لکھی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی درج کیا ہے کہ ہر غزوہ و سریا میں فاتح کون تھا اور مفتوح کون ٹھہرا؟ ان کا یہ انداز تحریر کسی اور معاصر کتاب سیرت میں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ مصنف کے اُسلوب کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضورؐ کے نسب نامے اور آپؐ کی ازواج کے نسب ناموں کو بھی جدول کی صورت میں لکھا ہے۔ یہ اُردو سیرت نگاری میں تحقیقی انداز کی اہم مثال ہے۔

رحمتہ للعالمین میں قاضی سلیمان پوری کا اُسلوب مجموعی طور پر ادبی اور تحقیقی ہے۔ ادبی رنگ اس پوری کتاب پر غالب دکھائی دیتا ہے مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ مصنف نے عقلی توجیہات سے کام نہیں لیا۔ قاضی صاحب نے تحقیقی و منطقی استدلال کو اپنے طرزِ تحریر کا حصہ بنایا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں مغربی اندازِ استدلال کو اپناتے ہوئے مستشرقین کے اعتراضات کے جواب انھی کی مقدس کتابوں سے دیے ہیں اور ہر علمی سطح کے قاری کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے سامنے حقائق کو علمی و ادبی اُسلوب میں پیش کیا ہے تاکہ اندازِ تحریر کی خشکی اسے سچائی سمجھنے سے روک نہ سکے۔ عموماً جب کسی ضخیم کتاب میں تاریخی شخصیت یا حقائق کو بیان کیا جاتا ہے تو اندازِ تحریر میں علمیت کا رعب قارئین کو اس کے مطالعے سے حظ اٹھانے سے محروم کر دیتا ہے اور وہ کتاب ایک مخصوص طبقے تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے مگر رحمتہ للعالمین کا اُسلوب ایسی تمام خامیوں سے مبرا ہے۔ اس کا اُسلوب ہر طبقے کے فرد کو خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ خاتم المرسلین رحمتہ للعالمین کی زندگی کا مطالعہ کر کے اپنے لیے رہنما اصول اخذ کر سکے۔ رحمتہ للعالمین کے اُسلوب کے متعلق مولانا حسن ثنی ندوی نے یوں لکھا ہے:

"رحمتہ للعالمین میں قاضی سلیمان کالب و لہجہ اتنا متین، سنجیدہ اور پُر اثر ہے کہ مخالف سے مخالف پڑھنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مناظرانہ اور تشددانہ انداز سے پرہیز کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس کے صفحات پر دماغ کے ساتھ دل کے کلڑے بھی رکھ دیے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشقِ نبویؐ اور حبِ انسانیت نمایاں ہے۔" (22)

۳۔ سیرۃ النبیؐ

اُردو کی جدید نثر کا آغاز سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کار کی تحریروں سے ہوا جنھوں نے منقذی و مستح اُسلوب کو سادہ و سلیس طرزِ بیان میں تبدیل کر کے اسے فارسی و عربی اثرات سے باہر نکلنے میں مدد دی تاکہ اُردو اُسلوب کی جداگانہ شناخت قائم ہو سکے۔ اُردو سیرت نگاری میں سرسید نے ایک نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے تحقیقی و منطقی اُسلوب کو متعارف کروایا۔ جس نے بعد میں سیرت لکھنے والوں کو متاثر کیا اور اُردو سیرت نگاری میں نئے رجحانات پیدا

ہوئے۔ شبلی نعمانی اپنی تمام تر افتادِ طبع کے باوجود سرسید ہی کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کے اُسلوب نگارش میں بھی دبستانِ سرسید کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ شبلی کی انفرادیت ان کے اُسلوب میں واضح جھلکتی ہے۔ شبلی نعمانی اُردو زبان و ادب کا اہم حوالہ ہیں۔ اُردو نثر نگاری کی تاریخ ان کے اُسلوب نگارش کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے۔ انھوں نے سوانحِ عمری کی صنف میں تاریخی شخصیات اور رومی و سعدی شیرازی کی زندگی کو موضوع بنایا اور اس صنف میں اپنی تحریر کے اہم نمونے پیش کیے۔ سیرت نگاری میں گو سوانحِ عمری کے عناصر موجود ہوتے ہیں مگر اس کو سوانحِ عمری نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ اس میں صرف ایک ہی ذات کو موضوع بنایا جاتا ہے اور ان کی حیات کے مختلف گوشوں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ ان کے اُسلوبِ سیرت نگاری کے متعلق پروفیسر سحر انصاری نے لکھا ہے:

"سرسید کا اُسلوبِ تحریر افادیت اور مقصدیت کا آئینہ دار رہا۔ اس لیے ان کی ساری توجہ نفسِ مضمون کی افادیت پر مرکوز رہی۔ شبلی کے اُسلوب میں موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اُسلوب کی جمالیات بھی ہم رشتہ ہوتی ہے۔ شبلی نے اپنی تمام تحریروں میں یہ جمالیاتی اُسلوب برقرار رکھا ہے۔ سیرت النبی ان کے آخری دورِ حیات کا کارنامہ ہے کیوں کہ وہ تحقیق اور تفحیص کے آدمی تھے اس لیے انھوں نے سب سے پہلی کوشش تو یہ کی کہ سیرت پر جتنی اہم کتابیں دستیاب تھیں ان کا غائر مطالعہ کیا اور پھر اپنے ذہن کو اس بنیاد پر واضح کیا کہ وہ سیرت النبی کن خطوط پر لکھیں گے۔" (23)

پروفیسر سحر انصاری نے شبلی نعمانی کے اُسلوب میں موجود جمالیات اور اس نکتے کی جانب اشارہ کیا ہے کہ شبلی بلاشبہ سرسید احمد خان کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے مگر انھوں نے اپنے جداگانہ طرزِ نگارش کو قائم رکھا۔ سیرۃ النبیؐ ان کے آخری دور کی تصنیف ہے، اس لیے اس میں ان کے اُسلوبِ بیان کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ان کی دیگر تصانیف میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ شبلی کے اُسلوبِ سیرت کی پہلی اور بنیادی خوبی اس کا سادہ اور دلکش ہونا ہے مگر اس سادگی و دلکشی سے مراد ان کا قوتِ تخیل، ایجاز و اختصار، ادبی شعریت اور منفرد اُسلوبِ نگارش ہے۔ ان کے اُسلوب میں ان تمام خصائص کا اظہار "ظہورِ قدسی" کے عنوان سے موجود باب کے آغاز میں ہوا ہے، جہاں وہ نبی اکرمؐ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں! چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سر و سامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔" (24) ان سطور سے شبلی نے ولادتِ مصطفیٰؐ کی تمہید باندھی ہے۔ یہ ان کے اُسلوب کی شگفتگی، دل کشی، شعریت اور جمالیات کا مظہر ہے۔ انھوں نے سیرت النبیؐ کو صرف معلومات کا

انسائیکلو پیڈیا بنانے کی سعی نہیں کی بلکہ اردو زبان و ادب میں سیرت نگاری کے لیے منفرد اسلوب کو متعارف کروایا ہے۔ یہ ایسا اسلوب ہے جس میں تحقیق و تنقید بھی ہے اور شعریت بھی۔ شبلی زبان کی تاثیر سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ اس لیے انھوں نے موضوع کی مناسبت سے ہر باب میں اپنے منفرد اسلوب نگارش کے نمونے پیش کیے ہیں۔ ذیل میں ان کے ادبی اسلوب کا ایک اور نمونہ درج کیا گیا ہے تاکہ قاری ان کے طرز نگارش کو سمجھ سکیں۔

"لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہرنے کروڑوں برس صرف کر دیے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔" (25)

شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں اپنے اسلوب کو موثر بنانے کے لیے ایجاز و اختصار کو اپنایا ہے۔ ایجاز و اختصار تحریر کو پُرکشش بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کم الفاظ سے وسیع مفہوم بیان کرنا کسی بھی تحریر کی نمایاں خوبی ہے۔ انھوں نے سیرت کے جن واقعات کو بیان کرنے کے لیے خالصتاً ادبی طرز نگارش اپنایا ہے وہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ اس کی مثال کے لیے ذیل میں ایک اقتباس درج کیا گیا ہے جس میں آمد مصطفیٰؐ کی توجیہ بیان کرنے کے لیے وہ کائنات کی سجاوٹ اور اس میں آنے والے انبیاء کرام کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ یہ سب تیاریاں صرف اس خاطر تھیں کہ حضورؐ کے دربار میں کام آسکیں۔ اس اقتباس میں شبلی کے الفاظ کا چناؤ اور اختصار وسیع معنی و مفہوم کی جانب اشارہ کرتا ہے جو قاری کو مختصر الفاظ میں یہ بارو کرواتا ہے کہ حضورؐ کی ذات مبارک میں تمام انبیاء کرام کے خصائص بھی موجود تھے۔ اگر اس نکتے کو وضاحت سے لکھا جائے تو اس کے لیے کئی صفحات درکار ہیں مگر یہ شبلی کے قلم کا اختصاص ہے کہ انھوں نے کم الفاظ سے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب رہے ہیں:

"کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیوں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجزہ طرازی موسیٰؑ، جان نوازی مسیحؑ سب اس لیے تھا کہ یہ متاع ہائے گراں شہنشاہ کو نین کے دربار میں کام آئے۔" (26)

شبلی کے طرز نگارش میں ایجاز و اختصار صرف سیرت کے واقعات بیان کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتا بلکہ انھوں نے مختلف موضوعات پر اپنے مخصوص نقطہ نظر کے اظہار اور اس کے دلائل میں بھی اس خوبی کو شامل تحریر رکھا ہے۔ سیرۃ النبیؐ کے مقدمے میں شبلی نے موسیو لیہان کے اصولِ عمرانی کا ایک اقتباس جس میں وہ قبل از اسلام عرب کے

تمدن کو اوجِ کمال تک پہنچا ہوا بتاتے ہیں، کو سامنے رکھ کر اس سے محض ایک سطر میں اپنے اختلاف کا اظہار کرتے ہیں جو شبلی کے اُسلوب میں موجود ایجاز و اختصار کی نمایاں مثال ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔" (27) اس کے بعد شبلی نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا جس کی بحث کا یہ موقع نہیں۔ اس ایک جملے قیاسی استدلال میں تاریخی حقائق کی جانب اشارہ بھی ہے اور کسی تاریخی نقطہ نظر کو بیان کرنے کے لیے مضبوط دلائل کی موجودگی کا ضروری ہونا بھی مراد ہے جو اپنے دائرہ کار میں بحث طلب ہے اور یہی شبلی کے اُسلوب کی خوبی ہے:

"سیرۃ النبیؐ میں شبلی نے اپنی نثر کو خوب صورت بنانے کے لیے استعارات کا استعمال کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ انداز قاضی سلیمان کی نثر میں تشبیہاتی رنگ میں دکھائی دیتا ہے، جہاں انھوں نے تشبیہات کے ذریعے اپنے مدعا و منشا کو پیش کیا ہے، وہاں شبلی استعاراتی انداز میں اپنے اُسلوب کی انفرادیت کو قائم رکھتے نظر آتے ہیں۔ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تھی اور ان میں بھگدڑ مچ گئی تھی، تب نبی اکرمؐ کی میدانِ جنگ میں موجودگی اور ان کے عزم و استقلال کو شبلی نے استعاراتی انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک بیکراستقلال پابرجا تھا جو تنہا ایک فوج ایک ملک ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا۔" (28)

شبلی کے اُسلوب میں طنزِ ملج کے استعمال کی جانب محمد انس حسان نے اپنے مقالے "شبلی نعمانی کی سیرت نگاری" میں اشارہ کیا ہے اور یہ خیال پیش کیا ہے کہ اُسلوب بیان میں طنزیہ بیان بھی بعض اوقات قوت و تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ (29) شبلی کی تحریر میں یہ خوبی بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے ہجرتِ مدینہ کی رات جب کفار نے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کیا ہو اتھابتِ طنز سے کام لیتے ہوئے کفار مکہ کے تضاد کو سامنے لایا ہے کہ ایک جانب وہ زنانہ مکان میں داخل ہو کر مارنے کو برا سمجھتے تھے، دوسری طرف وہ رات کی تاریکی میں ایک پورے جتھے کی صورت میں حملہ آور ہونے کو تیار آئے تھے کہ آپؐ کو اکیلا دیکھ کر ان پر حملہ آور ہوں۔ شبلی کا اندازِ تحریر ملاحظہ ہو: "اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرتؐ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔" (30) ان جملوں میں موجود لفظ "فرض" گہرے طنز کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنف نے عربوں کی ذہنی حالت کو اس ایک لفظ کے استعمال سے واضح کیا ہے کہ اہل عرب حضورؐ کی تعلیمات سے اس قدر خوف زدہ ہو چکے تھے کہ انھوں نے یہی آخری حل تلاش کیا کہ وہ آپؐ کی

جان لے لیں اور اسے انھوں نے اپنا فرضِ اولین سمجھا۔ یہ شبلی کے اُسلوب کی خوبی ہے کہ انھوں نے گہرے طنز سے کام لے کر عربوں کی ذہنی حالت کی عکاسی کی ہے۔

شبلی نعمانی کے اُسلوب میں بیسویں صدی میں اُردو سیرت نگاری میں سرسید احمد خان کی خطباتِ احمدیہ کے بعد ہونے والی تبدیلی کا بھی گہرا نقش دکھائی دیتا ہے۔ سرسید نے منطقی و استدلالی طرزِ بیان کو سیرت نگاری کا بنیادی جزو ٹھہرایا۔ شبلی کے اُسلوب میں تمام تر ادبیت ہونے کے باوجود منطقییت و استدلالیت کا عنصر موجود ہے۔ انھوں نے دلائل کو سادہ زبان میں منطقی انداز سے پیش کیا ہے تاکہ ان کا نقطہ نظر بہ آسانی قاری تک پہنچ جائے۔ تمام انبیاءِ کرام کی فضیلت کا نکتہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"حضراتِ انبیاءِ کرام تمام کمالاتِ نبوت و فضائلِ اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالحِ الہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی، بہ مصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا۔" (31)

شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں انجیل سے حوالے دیے ہیں۔ سیرت نگاری میں اس حوالہ جاتی انداز کا آغاز سرسید احمد خان نے کیا اور پھر ان کے تمام پیش روؤں نے اس کو اپنا ضروری خیال سمجھا۔ انجیل سے دلائل دینے کا مقصد حضورؐ کی حقانیت کا اثبات ہے۔ شبلی کے اُسلوب میں اس کے نمونے ملتے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے اس کے حق میں الہامی کتب سے حوالہ دیتے ہیں تاکہ ان کے بیان کردہ نکات کو مستند گردانا جاسکے۔ انھوں نے نبی اکرمؐ کے تعلیم سے نابلد ہونے کو بائبل سے استناد کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی سیرۃ النبیؐ میں ان کا یہ اُسلوب نگارش کئی مقامات پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اس کا ایک نمونہ درج کیا گیا ہے:

"اس خوبی کو دیکھیے کہ اللہ کا کلام جو انسان کی ہدایت کے لیے اترا۔ انسان کی ابتدائی حالت ہی سے شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے انسان کے لیے تعلیم کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ نبی کو خود خالق نے تعلیم دی "مالم یعلم" سے آنحضرتؐ کا ان پڑھ ہونا

ظاہر ہے۔ کتاب۔ سعبیہ ۲۹-۱۲ میں ہے "ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھے" قرآن

مجید کے لفظاً و معناً کلام الہی ہونے کے لیے دیکھو استثناء ۲۰ تا ۲۰۸ درس ۸ باب۔" (32)

شبلی نعمانی نے اردو سیرت نگاری میں منفرد و قارئین کو قارئین رکھا۔ ان کی سیرت نگاری میں علمیت اور جامعیت واضح دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے سیرۃ النبیؐ کی دو جلدیں اپنے قلم سے مکمل کیں جن پر ان کی انفرادیت کی گہری چھاپ موجود ہے۔ شبلی سے قبل اردو میں سیرت نگاری کی ایک پختہ روایت موجود تھی جس میں قدیم طرزِ اسلوب بھی تھا اور جدید طرزِ نگارش بھی۔ یہاں قدیم طرزِ اسلوب سے مراد ادبی رنگ میں جذبات و عقیدت کی رو میں بہہ کر سیرت لکھنا ہے جس پر مستشرقین کے بے تحاشا اعتراضات تھے۔ جدید طرزِ نگارش کا اشارہ سر سید احمد خان کی جانب ہے جنھوں نے منطقی و مغربی استدلال کو سیرت نگاری کا حصہ بنایا۔ شبلی نے ان دونوں رویوں کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے ادبی طرزِ نگارش اور منطقی و مغربی طرزِ استدلال کو اپناتے ہوئے سیرۃ النبیؐ لکھی جس کا اسلوب اس کی انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شبلی کے اسلوبِ تحریر میں ربط و ترتیب نے ایک خاص حسن پیدا کر دیا ہے۔ ان کے اسلوب کے متعلق ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کی رائے ذیل میں درج کی گئی ہے:

"مولانا شبلی کو قدرت نے تحریر و تصنیف کا ایک خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس خاص وصف میں اپنے تمام معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں عموماً اور سیرۃ النبیؐ میں خصوصاً بے ربطی، انتشار اور بے ترتیبی کا شائبہ بھی نہیں گزرتا۔ سیرۃ النبیؐ کا موازنہ اردو کی کسی بھی دوسری کتاب سیرت سے کیا جائے تو مولانا کے سلیقہ تحریر و تصنیف کا جادو سرچڑھ کر بولتا ہوا نظر آئے گا۔" (33)

۴۔ خطباتِ مدراس

اردو سیرت نگاری کی روایت میں خطابیہ اسلوب موجود ہے کی افادیت یہ ہے کہ خطبے کو معمولی ترمیم کے بعد تحریری صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے اور جاذبیت بھی تحریر کا حصہ بن جاتی ہے۔ اسی لیے محاضرات اور خطبات پر مشتمل کتب زیادہ دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ سیرت میں خطابیہ اسلوب کی حامل کتب کی اشاعت اور ان کی مقبولیت اس کا اہم ثبوت ہے۔ سید عزیز الرحمن کے مطابق "اہم ترین بات یہ ہے کہ سیرت طیبہ کا خطابیہ اور محاضراتی پہلو اور اس حوالے سے موجود کتب بھی اردو سیرت نگاری کا اختصاص اور امتیاز شمار کی جاتی ہیں کہ اردو زبان کے علاوہ خاص فن سیرت میں محاضراتی ادب ایک روایت کے طور پر نظر نہیں آتا۔" (34)

سید عزیز الرحمن کے مطابق اُردو سیرت نگاری میں محاضراتی ادب کے حوالے سے پہلا اور نمایاں نام سید سلیمان ندوی کا ہے۔^(۳۵) ان کی کتاب خطباتِ مدراس اپنے موضوع اور اُسلوب کے اعتبار سے اہم ہے۔ ان خطبات میں انھوں نے قارئین سیرت کو ایک نئی دنیا سے روشناس کروایا اور سیرتی ادب میں پہلی بار نبی اکرمؐ کی سیرت کے امتیازی پہلوؤں کا تجزیاتی پیش کیا۔ یہ کتاب ان غیر مسلموں کے لیے تحفہ ہے جو مختلف مذاہب کا مطالعہ کر کے راہ ہدایت تلاش کرتے ہیں۔ یہ کتاب اس بنیادی نکتے کو پیش کرتی ہے کہ کسی بھی شخصی سیرت کا کمال نبی پاکؐ کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا۔ اسے ندوی کا صرف دعویٰ ہی نہیں کہا جاسکتا بلکہ انھوں نے ثابت کرنے کے لیے دلائل بھی دیے ہیں۔ تمام خطبات اسی بنیادی تصور کے گرد گھومتے ہیں اور ان میں منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ انھوں نے مختلف انبیاء کرام اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فضیلتِ محمد رسول اللہؐ اس طرح ثابت کی ہے کہ اُسلوب میں جذباتیت کے بجائے عقلیت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہر پیغمبر خدا کا شاہد داعیِ مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے۔ مگر یہ کُل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے۔ جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ وغیرہ۔ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ۔ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ۔ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعیِ حق تھے، جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ۔ لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراجِ منیر، سب کچھ بیک وقت تھا اور جس کے مرتفع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہؐ تھے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ آپؐ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا۔ آپؐ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے تھے جو کامل تھی۔ جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔"^(۳۶)

خطباتِ مدراس میں سید سلیمان ندوی نے انشا پر دازی کا انداز بھی اپنایا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ عربوں کے خطبات میں تمام شاعرانہ محاسن موجود ہوتے تھے۔ سید صاحب نے بھی ان خطبات میں شعری انداز اختیار کیا ہے۔ ذیل میں اقتباس میں تمام انبیائے کرام کو ان کے امتیازی اوصافِ جلیلہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"نوحؑ کا جوش تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولہ توحید، ہارونؑ کی رفاقت حق، اسحاقؑ کی وراثت پدری، اسماعیلؑ کا ایثار، موسیٰؑ کی سعی و کوشش، یعقوبؑ کی تسلیم، داؤدؑ کا غربتِ حق پر ماتم، سلیمانؑ کا سرود حکمت، زکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی عفت، عیسیٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعترافِ قصور، لوطؑ کی جانفشانی، ایوبؑ کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں، جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں ان صفاتِ عالیہ کا وجود ہے، وہ ان ہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔" (37)

سید سلیمان ندوی کا اُسلوب خطباتِ مدراس میں کہیں رنگ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس کتاب میں ان کی انشا پر داری کا کمال بھی ہے اور جامعیت بھی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے کم الفاظ کے استعمال سے سیرتِ طیبہ کو سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے۔ گو سیرت ایک ایسا بے کراں سمندر ہے جس کے مختلف گوشوں پہ جتنی تفصیلی روشنی ڈالی جائے تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔ سلیمان ندوی کے اُسلوب کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے کم الفاظ سے تصویرِ محمد بنائی ہے۔ خطباتِ مدراس کے پانچویں خطبے "جامعیت" میں وہ یہ نکتہ پیش کرتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی میں مختلف جذبات و احساسات اور مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی وہ خوشی کی کیفیت میں ہوتا ہے اور کبھی غم کی، کہیں وہ مالی مشکلات کا سامنا کرتا ہے اور کہیں روحانی۔ عزم، استقلال، شجاعت، ایثار، رضا، توکل، صبر، شکر، قناعت اور تمام اخلاقی پہلوؤں میں اسے ایک ایسی ذات کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور صورت حال میں اس کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کرے۔ اس نکتے کو اٹھانے کے بعد وہ ایک طویل اقتباس میں حضورؐ کی جامعیت کو بیان کرتے ہیں۔ یہ اقتباس گو خطبے کے لحاظ سے طویل ہے مگر اس میں جو نکات بیان کیے گئے ہیں ان کی وضاحت کے لیے کئی دفتر ناکافی ہوں گے اور یہی سید سلیمان ندوی کے اُسلوب کی خوبی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہؐ کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو۔۔۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا

چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہؐ کی جامعیتِ کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔⁽³⁸⁾

سید سلیمان ندوی نے خطباتِ مدراس میں تقابلی انداز بھی اپنایا ہے۔ انھوں نے دوسرے انبیاءِ کرام کے ساتھ نبی پاکؐ کے تقابل سے ثابت کیا ہے کہ آپؐ کی زندگی میں تمام انسانیت کے لیے رہنما اصول موجود ہیں دوسرے انبیاءِ ایک مخصوص دور کے لیے آئے اس لیے ان کی شریعت بھی اسی زمانہ سے متعلق تھی۔ ان کی ذات کے کسی ایک پہلو کو قدرت نے زیادہ نمایاں کیا اور وہی تاریخ میں محفوظ ہو جب کہ آپؐ کو پوری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اسی وجہ سے آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ تاریخ کے اوراق پہ محفوظ ہے تاکہ اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ سید صاحب کے اسلوب میں تقابل بھی دکھائی دیتا ہے کہیں یہ شخصی اوصاف کا تقابل ہے اور کہیں کسی معاملے پہ ردِ عمل کا۔ ذیل میں ایک اقتباس درج ہے جو حضورؐ اور دوسرے انبیاءِ کرام کی سیرتوں میں سید صاحب کے تقابلی اسلوب کا نمونہ ہے:

"جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہؐ کی سیرت ہے۔ اس کے سامنے نوحؑ و ابرہیمؑ، ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام انبیاءِ کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہؐ کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔"⁽³⁹⁾

خطباتِ مدراس میں سید سلیمان ندوی کے اسلوب کے متعلق ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی نے لکھا ہے کہ یہ خطبات مصنف کی پاک دلی، پاک صفتی اور پاک بازی کا عکس نمایاں ہے۔ اس میں جب ان کا قلم رواں ہوتا ہے تو پھر پاکیزہ ادبی تحریروں کا سیلاب بہتا نظر آتا ہے۔ تاریخ و سوانح، وزن و وقار اور خطابت و انشا کے اتنے گونا گوں جلوے سید صاحب کی کسی اور تصنیف میں یکجا نہیں ملتے۔ سید صاحب کے تمام خطبات کی زبان، ان کے مقدمات و مقالات سے قدرے مختلف ہے چون کہ یہ خطبے مقالہ کے طور پر پڑھنے کے لیے لکھے گئے تھے۔ اس لیے ان میں عبارت آرائی کا تھوڑا سا لحاظ ہے اور اس میں الفاظ کی شوکت، فقروں کی برجستگی، ترکیبوں کی چستی اور بیان کی دلکشی کا اہتمام نظر آتا ہے۔ اُردو مجالسوں و کانفرنسوں میں پڑھے گئے صدارتی خطبوں میں خطابت کا رنگ نسبتاً ہلکا اور لب و لہجہ نرم ہے۔ یہاں کڑک، گرج اور تنخیل کی بے راہ روی نہیں ہے۔ سید صاحب نے خطابت کو شانستگی، خوش گواری لب و لہجہ اور ادبی رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔⁽⁴⁰⁾

خطباتِ مدراس سیرتِ طیبہ کا حاصل بھی کہے جاسکتے ہیں اور خلاصہ بھی۔ ان کی سب سے اہم خوبی اسلوبِ بیان ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ایسا منطقی و استدلالی اسلوب اپنایا ہے جس سے مرعوبیت کے تمام بادل قاری کے ذہن سے چھٹ جاتے ہیں۔ ان

خطبات کی ایک اور اہمیت یہ ہے کہ یہ ایسے ماحول میں دیے گئے جب مسلمانوں کے جدید طبقے میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں کا غلغلہ تھا جن کے اثرات سے جدید اذہان متاثر ہو کر شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے تھے۔ سید صاحب کے ان خطبات نے فضا کو صاف کرنے اور صحیح صورت حال قلوب و اذہان میں راسخ کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔⁽⁴¹⁾ ان خطبات کا اُسلوب عالمانہ فکر اور انداز بیان سادہ و سلیس ہے۔ اس کتاب نے سیرت طیبہ پر محاضرات کا ایک نیا اُسلوب رائج کیا ہے۔ سید ندوی نے ہر خطبے کے لیے منتخب شدہ عنوان میں اپنے نقطہ نظر کو بہ خوبی پیش کیا ہے۔ ان کے اُسلوب میں جذباتیت کے بجائے عقلی استدلال اور مخاطب کو قائل کرنے کا انداز موجود ہے۔ وہ مناظراتی یا مخاصماتی انداز بیان اختیار کرنے کے بجائے علمی و عقلی دلائل سے اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ ان کے اُسلوب سے خود اعتمادی اور اپنے موضوع پر گہری گرفت دکھائی دیتی ہے۔ اسی وجہ سے خطباتِ مدراس میں مرغوبیت کے برعکس مصنف کی علیت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے، جس نے بلاشبہ اُردو سیرت نگاری کے معیار کو بلند کرنے اور اس کے اُسلوب میں علمی و عقلی استدلال کے پہلو کو نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا حسن ثنی ندوی نے خطباتِ مدراس کے اسی مخصوص انداز بیان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے جسے ذیل میں درج کیا گیا ہے:

"خطباتِ مدراس کی زبان ایسی معیاری اور اتنی بلند پایہ ہے کہ اُردو ادب بہت کچھ ترقیاں کرنے کے باوجود ابھی تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ سیرت نگاری میں جذبات کا عنصر اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی اس کی ضرورت ہے، دل سے زیادہ دماغ کو پیش کیا گیا ہے۔ اس دورِ عقلیت کے عقلیت پسندوں، جدید تعلیم یافتوں، روشن خیالوں، مسلمانوں اور نامسلمانوں سب کے لیے یکساں موثر، ایپلنگ اور تسکین بخش ہے۔"⁽⁴²⁾

۵۔ سیرت رسول اللہ

سید نواب علی کا سیرت رسول اللہ میں اُسلوب ان کی ادیبانہ ہے۔ انھوں نے سیرت کے واقعات اور پیغام سیرت کو سادہ مگر موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ یہاں ادبی اُسلوب سے مراد دلائل کو بھی سادہ و سلیس انداز میں پیش کرنا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں مستشرقین کے اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں اور قدیم عربی ماخذات پر رد و قدح بھی کی ہے لیکن ان تمام سنجیدہ مباحث میں بھی ان کا اُسلوب کہیں دقیق اور ثقیل نہیں ہوتا کہ قاری کو سمجھ نہ آسکے اور یہی ان کے اُسلوب کی خوبی ہے۔ اس کتاب کی تمہید باندھتے ہیں ہی ادبیت اور شعریت جھلکتی ہے۔ انھوں نے بت پرستی اور خدا پرستی کے فرق کو شاعرانہ انداز میں نمایاں کیا ہے۔ بہادری اور بزدلی میں فرق دکھانے کے لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ع نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

"غور سے دیکھو تو بت پرستی اور خدا پرستی میں بھی صرف ایک نگاہ کا فرق ہے۔ اگر کائنات کی کسی شے کو بالذات موثر اور نفع و ضرر پر قادر دیکھا، بہکا۔ لیکن اگر مظاہر اور آثار کے پردے میں ایک ہی موجود اور موثر حقیقی پر نظر جمائی اور اسی قادر مطلق سے استعانت چاہی 'راہ پائی'۔"⁽⁴³⁾

سیرت رسول اللہؐ میں سید نواب علی کے اُسلوب کی ایک خوبی موقع و محل کے مطابق اشعار کا استعمال کرنا ہے۔ انھوں نے اپنا مدعا و منشا بیان کرنے کے لیے شاعری کا سہارا لیا کیوں کہ وہ اس بات سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ شاعری کے ذریعے کم الفاظ میں بڑی بات سمجھائی جاسکتی ہے۔ انھوں نے جہاں اسلام کے کسی فلسفہ حیات کو بیان کیا وہاں فارسی و اردو شاعری سے اپنا نقطہ نظر بیان کرنے میں مدد لی۔ اس کتاب میں فارسی زبان کے اشعار کا استعمال عام نظر آتا ہے۔ نواب علی نے فارسی اشعار نقل کرنے کے ساتھ ان کا ترجمہ بھی دے دیا ہے جو کہ فارسی زبان سے نابلد قاری کے لیے آسانی کا باعث ہے۔ اس طرح وہ اشعار کی تفہیم اور مصنف کے ان شعروں کے استعمال سے بیان کردہ معنی تک رسائی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔ سید نواب علی نے قدیم قربان گاہوں اور الہامی مذاہب میں قربانی کی روایت کو بیان کرتے ہوئے مولانا روم کے اشعار ترجمے کے ساتھ درج کیے ہیں۔ جن کو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے تاکہ مصنف کے انتخاب شاعری اور اس کے ترجمے کے نمونے سے ان کے اُسلوب بیان کے انداز کو دیکھا جاسکے:

ہر دو یک گل خوردہ ز نور و نخل	ایک زیں شد نیش و زان دیگر غسل
ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب	زیں یکے سرگیں شد و زان مشک ناب
ہر دوئے خوردند از بک آبخور	آں یکے خالی و آں پُراز شکر
ہر دو صورت گر بہم ماندرو است	آب تلخ و آب شیریں راصفاست
جز کہ صاحب ذوق نشناسد شراب	اوشنا سد آب خوش از شورہ آب

ترجمہ: (۱) بھڑ اور شہد کی مکھی، دونوں نے ایک ہی پھول کا رس لیا مگر ایک سے ڈنک بنا اور دوسرے سے شہد۔

(۲) دو قسم کے ہرن نے گھاس کھائی اور پانی پیا مگر ایک سے میٹھی نکلی اور دوسرے سے مشک۔

(۳) دونوں نے ایک ہی پانی سے سینچے گئے مگر ایک خالی ہے (زرسل) اور دوسرے میں شکر ہے (گتا)

(۴) ہو سکتا ہے کہ دو صورتیں آپس میں مشابہ ہوں کھاری اور میٹھا، پانی دونوں میں صفا ہے۔

(۵) مگر چکھنے والا ہی بتا سکتا ہے کہ میٹھا کون ہے اور کھاری کون ہے۔⁽⁴⁴⁾

سید نواب علی نے سیرت رسول اللہ میں تحقیقی انداز کو اپنایا ہے جو ان کے اُسلوب کی بھی بنیادی خوبی ہے۔ انھوں نے سیرت کے کسی بھی واقعے پر ذاتی رائے قائم کرنے سے قبل تحقیق و تدقیق کا انداز اپنایا ہے اور اس پر مختلف حوالوں سے مواد فراہم کیا ہے۔ سید نواب علی کا یہ تحقیقی انداز کتاب میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً انھوں نے ابنِ اسحاق کی ایک روایت جو قصہ لقمان کے متعلق ہے کو بیان کیا ہے کہ مکہ میں حج کے ایام میں حضور کی ملاقات سوید ابنِ صامت سے ہوئی جس نے انھیں صحیفہ لقمان پڑھ کے سنایا حضور نے اس کے جواب میں اسے قرآن مجید کی چند آیات سنائیں جن سے وہ بہت متاثر ہوا۔ مصنف نے صحیفہ لقمان کے متعلق تحقیق کی ہے کہ وہ الہامی کتابوں میں موجود ہے یا نہیں۔ ان کا یہ تحقیقی اُسلوب سیرت نگاری میں ان کے معیارِ تحقیق کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ایک طویل اقتباس ہے، جسے ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے تاکہ سید نواب علی کے اُسلوبِ تحقیق کو نمایاں کیا جا سکے۔ انھوں نے یہی اندازِ غزوات اور قربانی کے متعلق لکھنے سے قبل مختلف مذاہب میں جنگ کے تصور اور تصورِ قربانی کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ صحیفہ لقمان کے متعلق اپنی تحقیق کا نچوڑ سید نواب علی نے یوں تحریر کیا ہے۔

سوید نے جس صحیفہ لقمان کو پیش کیا اور جس کا ذکر ابنِ اسحاق نے کیا ہے وہ اصل میں ایک قدیم اشوری کتاب قصہ اِحیکر سے ماخوذ ہے۔ اس قصے کو یہود نے کتبِ عہدِ عتیق سے خارج کر دیا تھا اور اس مجموعے میں جسے اپو کراف (نامعتبر اور ضعیف) کہتے ہیں میں داخل کیا تھا۔ اس مجموعے کا انگریزی ترجمہ آرابس چارلس نے سنہ ۱۹۱۳ء میں آکسفورڈ سے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے اور اس کا نام "دی اپو کراف آف دی اولڈ ٹسٹامنٹ" رکھا ہے۔ قصہ اِحیکر جلد دوم میں اس طور سے مذکور ہے:

احیکر اسیریا کے بادشاہ سنا شرب کا وزیر تھا اور علم و حکمت میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا، مگر اولاد کی غم میں مبتلا تھا، آخر ناامید ہو کر اپنے بھانجے کو متنبیٰ کیا اور اس کی تعلیم و تربیت میں خود متوجہ ہوا۔ اس کی تعلیمات مواعظ کی شکل میں تمام تر اس طور سے مذکور ہیں۔ اے میرے بیٹے! ایسا کر اور ایسا نہ کر جس طرح سورۃ لقمان میں منقول ہے۔ "وَإِذْ قَالَ لِقْمَانَ لِبْنِهِ وَهُوَ يَعْظُمُ بَنِي لَأْتَشْرِكُ بِاللَّهِ۔۔۔ الْآيَةَ مَوَاعِظُ اِحِيكَرِ اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کا ترجمہ ارمنی، سریانی اور حبشی زبانوں میں کیا گیا۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے بہت پیشتر عربی میں بھی ان کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ اسی کا حوالہ سوید ابنِ صامت نے دیا تھا۔ مواعظ اِحیکر کے اقتباسات تورات کی کتاب امثال اور دانیال وغیرہ میں نیز انجیل، لوقا اور اعمال حواریین میں بھی موجود ہیں۔ قرآن مجید میں بھی چند مواعظ مذکور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوری اِحیکر اہل کتاب میں لقمان کے نام سے یاد کیا گیا۔ پھر لقمان کی سیرت کے متعلق روایات مشہور ہو گئیں۔" (45)

اس طویل اقتباس کو یہاں نقل کرنے سے یہ مقصود تھا کہ ان کے اُسلوب تحقیق کی وضاحت کی جاسکے جس میں انھوں نے اپنی ذاتی رائے دینے پر مختلف کتب اور الہامی کتابوں میں صحیفہ لقمان کی موجودگی کو موضوع بنایا ہے۔ سید نواب علی کا مجموعی اُسلوب منطقی و استدلالی ہے۔ وہ سیرت طیبہ کے موضوعات پر دلائل و حقائق اور روایات اسلامی کے ساتھ تورات و انجیل سے حوالے دیتے ہیں۔ انھوں نے یہ سیرت صرف مسلمانوں کے مطالعے کے لیے نہیں لکھی بلکہ ان کا منشا مقصود سیرت سے متعلق شکوک و شبہات کو رفع کرنا بھی تھا اسی وجہ سے یہاں تحقیقی انداز کو ذاتی رائے پر مقدم رکھا گیا ہے۔

سیرت میں حضورؐ کی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے سید نواب علی نے تقابلی انداز بھی اپنایا ہے۔ حضرت محمدؐ کا دوسرے انبیاء سے تقابل کرتے ہیں یہ تقابل ان کے مراتب کا نہیں بلکہ زندگی میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا ہے۔ ان کی اس کتاب میں تقابلی اُسلوب کی خوبی بھی دکھائی دیتی ہے وہ جب حضورؐ کی ولادت کو بیان کرتے ہیں تو وہاں ابنِ اسحاق کا اہل کتاب کی پیروی میں محمد رسول اللہؐ کی ولادت کو اناجیل اربعہ کے انداز میں لکھنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابنِ اسحاق کے اس انداز بیان کو متاخرین نے بھی اپنایا اور ولادتِ محمدؐ کے بیان میں اسرائیلیات کا رنگ غالب ہوتا گیا جس کو بعد میں ترک کر کے منطقی انداز میں بیان کیا جانے لگا۔ یہاں جو نکتہ بیان کرنا مقصود ہے وہ سید علی کا تقابلی اُسلوب ہے انھوں نے حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضورؐ کا تقابل کیا ہے۔ ذیل میں جو اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جس سے سید نواب علی کے تقابلی اُسلوب کو بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے:

"یقینی کی دل خراش مصیبت برداشت کر کے جب آنحضرتؐ سن شعور کو پہنچے تو قوم کی جاہلانہ رسموں اور بد اخلاقیوں کے دھومیں سے آپ کا پاکیزہ دم گھٹنے لگا۔ قلب نازک اس تیرگی کا متحمل نہ ہوا۔ شوقِ طلبِ دامنِ گیر ہو مگر حضرت موسیٰؑ کی طرح آپ وادیِ ایمن میں آگ لینے نہیں نکلے۔ حضرت مسیحؑ کے مانند آپ چالیس دن تک بیاباں میں شیطان کی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوئے۔ آپ طالبِ معرفت تھے اور تلاشِ حق میں سرگرداں۔ ایسی حالت میں وہ سچا رہنما جس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے عالم کی ہدایت کے لیے ایک یتیمِ امی کا خود ہادی بن گیا۔" (46)

سید نواب علی نے سیرت رسول اللہؐ میں مستشرقین کے اعتراضات کی جانب اشارہ کر کے ان کا جواب لکھا ہے لیکن ان اعتراضات کا جواب لکھتے ہوئے ان کے اندازِ تحریر میں جذباتیت کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ وہ تورات و انجیل کے جاننے والوں میں سے تھے اسی لیے ان کی کتاب میں مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہوئے ان کے حوالے ملتے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کو ان کتابوں سے تقویت دیتے ہیں اور مستشرقین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب خود ان کی کتابوں سے دیتے ہیں۔ گو اس

کتاب کا مجموعی اسلوب منطقیت کی خوبی رکھتا ہے مگر جہاں اعتراضات مستشرقین کا ذکر ہے وہاں مصنف کا اسلوب جذباتی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور وہ انھیں اپنی مذہبی کتب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے اٹھائے گئے سوال کا جواب اپنی مذہبی کتب سے لے لیں۔ ان کے اس اسلوب کا نمونہ "مارگولیوٹ کی بدباطنی" کے عنوان سے موجود شہ سرخی کی تفصیل میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں وہ مارگولیوٹ کے اس اعتراض کا جواب لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی شان میں آیات کا نزول نہیں ہوا اور وہ اس وحی کا مذاق اڑاتے ہیں جو حضرت عائشہؓ کی برات میں نازل ہوئی تھی:

ہمارے زمانے کے مشہور مستشرق مارگولیوٹ نے اپنی کتاب "محمد" میں یوں سیرت پاک کے اکثر معمولی واقعات کو بھی اپنے زور قلم سے بدنما کر کے دکھایا ہے لیکن واقعہ اُفک کو تین صفحات میں جس انداز سے بیان کیا ہے وہ قابلِ افسوس ہے۔ صنفِ نازک کی عزت کا شریفانہ لحاظ انگریزوں کی قومی خصوصیت ہے جو نہایت مستحسن ہے لیکن تعصب کا براہو جس نے انگلستان کے ایک مشہور مستشرق کے قلم کو یہودِ مدینہ کی زبان بنا دیا۔ مارگولیوٹ حضرت عائشہؓ کے متعلق نزولِ وحی کا مضحکہ اڑاتے ہیں کاش وہ تو ریت میں اس واقعے کو یاد کرتے جب خداوند یہواہ خود عمودِ سحاب میں اترتا ہے اور حضرت موسیٰؑ کی بے گناہی ثابت کرتا ہے اور تہمت لگانے والوں کو مبروص کرتا ہے۔ اسی طرح کتابِ پیدائش میں خود خدا حضرت سارہ کی عصمت کی گواہی دیتا ہے۔ جب وہ حاکمِ مصر کے پنچے میں پھنس گئی تھیں۔ یہود نے حضرت مریمؑ پر ناپاک تہمت لگائی مگر مارگولیوٹ کو شاید یاد نہیں رہا کہ یہ قرآن ہے جس نے مادرِ مسیحؑ کی عصمت کی گواہی پر جوشِ طریقے پر دے کر پیرانِ توحید کے قلوب کو تعظیم و توقیر کے جذبات سے لبریز کیا ہے۔⁽⁴⁷⁾

سید نواب علی کا اندازِ بیان کئی موقعوں پر مستشرقین کا ذکر کرتے ہوئے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ گو وہ دلائل سے کام لیتے ہیں مگر ان کا اسلوب جذباتیت اور مناظراتی انداز کو بھی ظاہر کرتا ہے جس کی کئی مثالیں کتاب میں موجود ہیں جہاں انھوں نے مستشرقین کا ذکر کیا ہے وہاں ان کا اندازِ دلیل منطقیت سے عاری ہو کر قطعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنی رائے کو اس طور پیش کرتے ہیں جو ان کی نظر میں حتمی ہے اور جواب دینے کے ساتھ ہی مستشرقین پہ سوال اٹھا دیتے ہیں کہ تورات و انجیل میں اس طرح لکھا گیا ہے۔ اس نکتے کی ان کے یہاں کیا توجیہ ہے ان کے اس طرز کو اس اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے:

"اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ مہذبِ یورپ کے مسیحی علماء اس دورِ تحقیق میں بھی آنحضرتؐ کے نسب نامے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کا نسل ابراہیمؑ سے ہونا ربابِ سیر کی محض حاشیہ بندی ہے۔ کاش یہ مدعیانِ تحقیق حضرت مسیحؑ کے ان دو متضاد نسب ناموں کو جو متی اور لوقا نے نقل کیے ہیں۔ درست کرتے جن میں حضرت مسیحؑ کو نسل داؤد سے

ہونا ثابت کیا ہے اور حضرت آدمؑ تک سلسلہ ملا دیا ہے پھر آدمؑ کو خدا کا بیٹا لکھ کر گویا مسیح
کو ابن اللہ ثابت کر کے انساب دانی کی حد کر دی۔⁽⁴⁸⁾

مجموعی طور پر سید نواب علی کا سیرت رسول اللہ میں اُسلوب ادبیت، منطقیات اور استدلال جیسی خوبیوں کا حامل ہے۔ انھوں نے
تحقیقی انداز میں سیرت طیبہ کو لکھا ہے اور توریت و انجیل اور مسلمانوں کے قدیم ماخذات سے مدد لی ہے۔ ان کے اُسلوب کی یہ
خوبی ہے کہ انھوں نے دقیق سے دقیق موضوع کو بھی آسان انداز میں بیان کیا ہے، تاکہ ہر سطح کا قاری ان کی تحریر کو با آسانی
سمجھ سکے۔ مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے گو انھوں نے منطقی انداز اپنایا ہے مگر کہیں کہیں ان کے اُسلوب پر
جذباتیت کا غلبہ بھی ہو جاتا ہے جس کی مثالیں اوپر متن میں دی گئیں ہیں تاکہ سید صاحب کے اُسلوب اور ان کے اندازِ تحریر کی
وضاحت ہو سکے۔ وہ چوں کہ سر سید احمد خان کے دبستانِ فکر سے تعلق رکھتے تھے اسی وجہ سے استدلالی اندازِ تحریر ان کی اس
کتاب میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ کتاب سیرت کو درست حقائق کے ساتھ پیش کرتی ہے اور بہت سے شکوک و شبہات کو دلائل سے
رد کرتی ہے۔

۶۔ اصح السیر

اُردو سیرت نگاری کے اسالیب میں ایک فقہیانہ اُسلوب بھی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ سیرت کے واقعات پر اس انداز سے
روشنی ڈالی جائے کہ ان میں سے کون کون سے فقہی احکام نکلتے ہیں۔ سیرت کے بہت سے واقعات بالخصوص مغازی اور حضورؐ کی
مہمات کی جو تفصیل ہے وہ اسلامی قوانین کا ماخذ بھی ہے اور اسی سے سنت کے بہت سے احکام بھی نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے
سیرت کے کون سے واقعہ سے سنت کا کون سا حکم نکلتا ہے سیرت اور فقہ کی حدود مل جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے سنت کے تعین کے
لیے بعض جگہ سیرت کے واقعات کو بیان کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔⁽⁴⁹⁾ اُردو زبان و ادب میں فقہیانہ انداز سیرت کی کئی مثالیں
موجود ہیں مگر ان میں سب سے اہم مولانا عبدالروف ابوالرکات دانا پوری کی کتاب اصح السیر ہے۔ اس کتاب میں خاص طور پر
مصنف نے اس اُسلوب کی صورت کو اپنایا ہے۔ انھوں نے مغازی پہ سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور اس ضمن میں جو معاملات
تاریخ میں پیش آئے ہیں ان پر فقہی مسائل ساتھ ہی لکھ دیے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب جہاں ایک طرف سیرت رسولؐ کو
موضوع بناتی ہے وہیں دوسری طرف اس میں بہت سے فقہی مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے اور ان کے لیے فقہیانہ اُسلوب اختیار
کیا گیا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ جنازہ سے متعلق انھوں نے طویل بحث درج کی ہے اور اس سے متعلق تائیدی و تردیدی روایات درج کرنے
کے بعد اس کا محاکمہ کیا ہے۔ ان کے اس اُسلوب کی مثال درج ذیل ہے:

شہد کے صلوٰۃ جنازہ کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی شہید پر صلوٰۃ جنازہ منع
کرتے ہیں۔ امام احمد صاحب کے دو قول ہیں۔ ایک منع اور دوسرا تعارض اولہ کی وجہ سے

اختیار اور وسعت یعنی پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ امام ابو حنیفہ واجب کہتے ہیں۔ شافعیہ میں اختلاف ہے کہ منع سے مراد حرام ہے یا عدم وجوب۔ امام احمد صاحب کے بعض قول سے استنباب بھی معلوم ہے۔

جو لوگ منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے یا خلفاء راشدین نے یا حضورؐ کے حکام نے کسی غزوہ میں یا کسی موقع پر ایسے شہدائے جنازہ کی نماز پڑھی ہو جو معرکہ میں شہید ہوئے ہوں۔ غزوہ اُحد کے متعلق حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت بخاری اور ترمذی میں موجود ہے کہ حضورؐ نے شہداء اُحد کو بلا غسل ان کے اپنے لباس میں بلا صلوٰۃ جنازہ پڑھے ہوئے دفن کیا۔⁽⁵⁰⁾

مولانا دانا پوری نے اسی اُسلوب کو روارکھتے ہوئے صلوٰۃ جنازہ کی پوری بحث دو سے تین صفحات پر مختلف روایات اور علما کے مباحث کی روشنی میں قلم بند کی ہے اور اسی طرح دیگر مباحث شہدائے جہیز و تکفین، مال غنیمت کی تقسیم، نمس اور فنے کے احکامات، اراضی کی تقسیم اور متعہ وغیرہ کے متعلق فقہی مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔

مولانا دانا پوری کو قدرت نے تحریر و تصنیف کا خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس وصف میں اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں عموماً اور اصح السیر میں خصوصاً بے رطلی اور بے ترتیبی نہیں ہے ڈاکٹر نور الدین جامی کے نزدیک "اصح السیر کا موازنہ اردو کی کسی بھی دوسری کتاب سیرت سے کیا جائے تو مولانا کے سلیقہ تحریر و تصنیف کا جادو سرچڑھ کر بولتا نظر آتا ہے۔"⁽⁵¹⁾ مولانا عبد الرؤف نے اس کتاب میں فقہی مسائل بیان کیے ہیں مگر ان کا اُسلوب کہیں بھی دقیق اور پیچیدہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ انھوں نے نہایت روانی سے تمام مسائل کو اس آسانی سے بیان کیا ہے کہ قاری ان کے مدعا و منشا تک با آسانی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

اصح السیر کے اُسلوب کی ایک اور خوبی ایجاز و اختصار ہے۔ ایجاز و اختصار کو نظم و نثر دونوں کی خوبی سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بڑی سے بڑی بات کو مختصر انداز میں اس طرح بیان کیا جائے کہ قاری کا ذہن بھی فوراً اس کے مفہوم کو پاجائے۔ مولانا دانا پوری کے جملوں میں وہ جہان معنی پوشیدہ ہے جو کئی اقتباسات میں بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

اسلام سے قبل دنیا کی ایک بڑی لعنت و ظنیت بھی تھی۔ دنیا میں جس قدر خون ریزیاں ہوئیں اس میں بہت زیادہ حصہ اسی و ظنیت کا ہے۔ آج بھی جتنی لڑائیاں ہو رہی ہیں وہ اسی و ظنیت کی برکت ہے۔ و ظنیت کا بڑا غلبہ یورپ میں ہے اور اسی وجہ سے بہترین علم، عقل اور فہم کے باوجود ہر وقت سارا یورپ آمادہ پیکار ہے۔ اسلام نے و ظنیت کی بنیاد اکھیر دی

تھی، ہر ملک میں انسان دو طرح کے ہیں۔ اچھے انسان اور برے انسان۔ تمام دنیا کے اچھے انسان ایک قوم ہیں اور برے ایک قوم۔⁽⁵²⁾

مولانا دانا پوری کا انداز بیان محققانہ اور مدللانہ ہے۔ وہ اپنی ہر بات کو تحقیقی انداز میں قاری کو سمجھاتے ہیں۔ آپ کی تحریر میں بلا کی خود اعتمادی ہے کیوں کہ آپ نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے۔ دانا پوری سیرت کے عنوان میں اپنی ذاتی رائے نہیں دیتے۔⁽⁵³⁾ انھوں نے سیرت میں صحیح ماخذات کو بنیاد بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ سیرت کی ابتدائی کتب سے معلومات لیتے ہوئی بھی انھوں نے حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے۔ ابن اسحق کی مغازی اور واقدی کی طبقات ابن سعد کے اصل متون ایک عرصے سے مفقود ہیں اور اب یہ مستشرقین کی بدولت دوبارہ شائع ہوئے ہیں۔ مولانا دانا پوری اس معاملے میں اس درجہ محتاط ہیں کہ وہ ان پر مکمل انحصار کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اس ضمن میں دلائل دیے ہیں جو ان کی کتاب کے مزاج اور اس کے اسلوب میں دلالت کے عنصر کو پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

طبقات ابن سعد عرصے سے مفقود تھی۔ مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے۔ وفات رسول اللہ کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعض ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں، جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا۔ ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا۔ میں یقین کے ساتھ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ یورپ کا الحاق ہے۔⁽⁵⁴⁾

ڈاکٹر نور الدین جامی لکھتے ہیں کہ مولانا دانا پوری کی تحریروں میں ایک خاص محققانہ شان پائی جاتی ہے۔ ان کی تصنیف سے ان کے عمیق مطالعے، تحقیقی اسلوب اور علمی بصیرت کا بھرپور تاثر ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی تاریخی، تنقیدی اور ادبی تصنیفات میں اپنی تحقیقی کاوش کا حق پوری طرح ادا کیا ہے۔ مولانا وسیع النظر عالم دین تھے، علمی مباحث میں شرکت کرتے اور علما کی آرا کا مطالعہ کرتے تھے۔ جو ایک بیدار ذہن اور کامیاب محقق کی شخصیت کا حصہ ہو کرتا ہے۔ دانا پوری نے اپنی مشہور تصنیف اصح السیر میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ حدیث کی مستند ترین کتابوں اور شرحوں سے لیا گیا مواد ہے اور سیرت کے واقعات امام ابن شہاب زہری، عروہ بن زبیر، سعید ابن المسیب، علقمہ ابن وقاص، عبید اللہ بن عبد اللہ، امام شعبی، حسن بصری، امام مکحول، امام السیر و الاخبار محمد بن اسحاق بن یسار، موسیٰ ابن عقبہ، واقدی، محمد بن سعد اور ابن ہشام سے لیے ہیں۔⁽⁵⁵⁾ مولانا دانا پوری اصح السیر میں لکھتے ہیں:

"طبقات ابن سعد (مطبوعہ یورپ) خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں۔ تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کے واسطے سے ملی ہے۔ اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کی سند متن اول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث، سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں۔ ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور یہ ان پر اعتماد ہے۔ ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی، جس کی سند متن اول کتابوں میں مل جائے۔" (56)

کتاب کی صحت، اُسلوب، مقاصدِ تحریر، کتاب کا سیرتی ادب میں مقام، کتاب کے ماخذ و مصادر یہ وہ تمام علمی و تحقیقی سنگ ہائے میل ہیں کہ جن کا تتبع کرتے ہوئے اس کتاب کے خصائص و اوصاف کا تحقیقی و تنقیدی، تحلیلی اور تاریخی جائزہ ایک بنیادی تحقیقی عمل ہے۔ یہ موضوع مذہبی و تاریخی نوعیت کا ہے۔ اس لیے اس میں منہج تحقیق بھی تاریخی اور بیانیہ ہے اور بوقتِ ضرورت ادبی منہج تحقیق بھی اختیار کیا گیا ہے کیوں کہ خالص اُردو ادب کے لحاظ سے بھی اس کتاب کا بھی اہم مقام ہے کیوں کہ مولانا دانا پوری عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ عربی، اُردو اور فارسی کے ادیب بھی تھے۔

حواشی و حوالہ جات

- 1- ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشران، لاہور، 2017ء، ص 172
- 2- ایضاً، ص 195
- 3- ایضاً، ص 516
- 4- سر سید احمد خان، سیرتِ محمدی، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1988ء، ص 219-220
- 5- ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، اُردو زبان میں چند اہم کتب سیرت مشمولہ فکر و نظر، جلد ۳۰، شمارہ ۱-۲، جولائی تا دسمبر 1992ء، ص 278
- 6- ایضاً، ص 278
- 7- ایضاً، ص 278
- 8- ایضاً، ص 70
- 9- ایضاً، ص 70
- 10- ایضاً، ص 70
- 11- ایضاً، ص 189
- 12- سید عزیز الرحمن، "اُردو سیرت نگاری کا محاضراتی ادب" مشمولہ السیرة، شمارہ ۴۱، دسمبر 2018ء، ص 210

13- قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین: عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2012ء، ص 58

14- ایضاً، ص 39-40

15- ایضاً، ص 241

16- ایضاً، ص 398

17- ایضاً، ص 122

18- ایضاً، ص 99

19- ایضاً، ص 400

20- ایضاً، ص 99

21- ایضاً، ص 186

22- مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان، لاہور، س-ن، ص 22

23- پروفیسر سحر انصاری، "شبلی نعمانی کا اسلوب سیرت نگاری" مشمولہ السیرة، شمارہ ۸، نومبر 2006ء، ص 270

24- شبلی نعمانی، سیرة النبی، الفیصل ناشران، لاہور، س-ن، ص 107

25- ایضاً، ص 107

26- ایضاً، ص 107

27- ایضاً، ص 74

28- ایضاً، ص 325

29- محمد انس حسان، "شبلی نعمانی کی سیرت نگاری" مشمولہ السیرة، شمارہ ۲۸، جولائی 2012ء، ص 299

30- ایضاً، ص 299

31- شبلی نعمانی، ص 10

32- ایضاً، ص 67

33- ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، مولانا شبلی بہ حیثیت سیرت نگار، دار النوادر، لاہور، 2005ء، ص 37

34- سید عزیز الرحمن، ص 209

35- ایضاً، ص 210

36- سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1983ء، ص 27

37- ایضاً، ص 18

38- ایضاً، ص 86

39- ایضاً، ص 87

- 40- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی، علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت و ادبی خدمات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س-ن، ص 422
- 41- سید عزیز الرحمن، ص 203
- 42- مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، ص 27
- 43- سید نواب علی، سیرت رسول اللہ، مکتبہ افکار، کراچی، 1966ء، ص 53
- 44- ایضاً، ص 55-56
- 45- ایضاً، ص 145-146
- 46- ایضاً، ص 79-80
- 47- ایضاً، ص 273-274
- 48- ایضاً، ص 69
- 49- ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص 177
- 50- مولانا ابوالبرکات عبدالروف داناپوری، اصح السیر، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س-ن، ص 156
- 51- ڈاکٹر نور الدین جامی، "اصح السیر کا منہج سیرت نگاری بیسویں صدی کی سیرت نگاری کے رجحانات کے تناظر میں" مضمونہ دور جدید میں سیرت نگاری کے رجحانات، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 2011ء، ص 755
- 52- مولانا ابوالبرکات عبدالروف داناپوری، ص 24
- 53- ڈاکٹر نور الدین جامی، ص 759
- 54- مولانا ابوالبرکات عبدالروف داناپوری، ص 15
- 55- ڈاکٹر نور الدین جامی، ص 762
- 56- مولانا ابوالبرکات عبدالروف داناپوری، ص 15

References in Roman Script:

1. Mahmood Ahmad Ghazi, Dr., *Muhazirat-e-Seerat*, Al-Faisal Nashiran, Lahore, 2017, P. 172.
2. Ibid., P. 195
3. Ibid., P. 516
4. Sir Syed Ahmad Khan, *Seerat-e-Muhammadi*, Maqbool Academy, Lahore, 1988, Pp. 219-220
5. Muhammad Mian Siddiqi, Dr., "Urdu Zaban Mein Chand Aham Kutub-e-Seerat," *Fikr-o-Nazar*, Vol. 30, No. 1-2, July-December 1992, P. 278.
6. Ibid., P. 278
7. Ibid., P. 278
8. Ibid., P. 70
9. Ibid., P. 70
10. Ibid., P. 70
11. Ibid., P. 189

12. Syed Aziz-ur-Rahman, "Urdu Seerat Nigari ka Muhazarati Adab," Al-Seerah, No. 41, December 2018, P. 210
13. Qazi Muhammad Sulaiman Salman Mansurpuri, Rahmat-ul-lil-Alameen, Abdullah Academy, Lahore, 2012, P. 58
14. Ibid., Pp. 39–40
15. Ibid., P. 241
16. Ibid., P. 398
17. Ibid., P. 122
18. Ibid., P. 99
19. Ibid., P. 400
20. Ibid., P. 99
21. Ibid., P. 186
22. Maulana Shah Muhammad Jafar Phulwarvi, Paighambar-e-Insaniyat, Idara Saqafat-e-Islamia Pakistan, Lahore, n.d., P. 22.
23. Prof. Sahar Ansari, "Allama Shibli Nomani ka Uslub-e-Seerat Nigari," Al-Seerah, No. 8, November 2002, P. 270.
24. Allama Shibli Nomani, Seerat-un-Nabi, Al-Faisal Nashiran, Lahore, n.d., P. 107.
25. Ibid., P. 107
26. Ibid., P. 107
27. Ibid., P. 74
28. Ibid., P. 325
29. Muhammad Anas Hassan, "Allama Shibli Nomani ki Seerat Nigari," Al-Seerah, No. 28, July 2012, P. 299.
30. Ibid., P. 299
31. Allama Shibli Nomani, Seerat-un-Nabi, P. 10
32. Ibid., P. 67
33. Zafar Ahmad Siddiqi, Dr., Maulana Shibli Bahaisiyat Seerat Nigar, Dar-ul-Nawadir, Lahore, 2005, P. 37
34. Syed Aziz-ur-Rahman, P. 209
35. Ibid., P. 210
36. Syed Sulaiman Nadvi, Khutbat-e-Madras, Idara Islamiyat, Lahore, 1983, P. 27
37. Ibid., P. 18
38. Ibid., P. 86
39. Ibid., P. 87
40. Muhammad Naeem Siddiqi, Dr., Allama Syed Sulaiman Nadvi: Shakhsiyat wa Adabi Khidmat, Majlis Nashriyat-e-Islam, Karachi, n.d., P. 422
41. Syed Aziz-ur-Rahman, P. 203
42. Maulana Shah Muhammad Jafar Phulwarvi, P. 27
43. Syed Nawab Ali, Seerat Rasul Allah, Maktaba Afkar, Karachi, 1966, P. 53.
44. Ibid., Pp. 55–56
45. Ibid., Pp. 145–146
46. Ibid., Pp. 79–80
47. Ibid., Pp. 273–274
48. Ibid., P. 69

49. Mahmood Ahmad Ghazi, Dr., P. 177
50. Maulana Abul Barakat Abdul Rauf Danapuri, Asahh-us-Siyar, Karkhana Tijarat Kutub, Karachi, n.d., P. 156
51. Noor-ud-Din Jami, Dr., "Asahh-us-Siyar ka Minhaj-e-Seerat Nigari Beeswin Sadi ki Seerat Nigari ke Rujhanat ke Tanazur Mein," in Daur-e-Jadeed Mein Seerat Nigari ke Rujhanat, Idara Tahqiqat-e-Islami, Islamabad, 2011, P. 755.
52. Maulana Abul Barakat Abdul Rauf Danapuri, P. 24
53. Noor-ud-Din Jami, Dr., P. 759
54. Maulana Abul Barakat Abdul Rauf Danapuri, P. 15
55. Noor-ud-Din Jami, Dr., P. 762
56. Maulana Abul Barakat Abdul Rauf Danapuri, P. 15